ہفت روزہ

لاہور

پاکستان

خدام الدین

بانیٔ ادارہ

شیخ التفسیر

حضرت مولانا احمد علی

قدس سرہٗ

بیت المال کا موتی

اور

خلیفہ کی صاحبزادی

★★★

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی صاحبزادی نے ایک موتی بھیجا اور اور فرمائش کی کہ اس کے ساتھ کا ایک اور موتی مل جائے تو کانوں کی بالیاں بنا لوں

حضرت عمرؒ نے آگ کے انگارے بھیج دیے کہ اگر ان کو کانوں میں پہن سکتی ہو تو دوسرا موتی بھیج دوں گا

★★

۱۵ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ

۲۵ جولائی ۱۹۷۵ء

فی کاپی ۶۰ پیسے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ کیوں آئے

عَنْ جُبَیْرِ بْنِ نُصَیْرٍ مُرْسَلاً۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السَّاجِدِیْنَ۔ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ۔

ترجمہ: حضرت جبیر بن نصیر جو تابعی بھی ہیں۔ صحابی کا ذکر کیے بغیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس یہ وحی نہیں آئی کہ مال جمع کروں۔ اور سوداگر بنوں۔ ہاں یہ وحی ضرور آئی ہے کہ ”اپنے رب کی تسبیح کر، اس کی خوبیوں کے ساتھ اور سجدہ کرنے والا بن اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتا رہ۔

سبحان اللہ! کس آسانی سے انسان کو دنیا میں رہنے کا گر سکھایا گیا ہے۔ اب اگر انسان اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو یقیناً بدقسمت ہے۔ دنیا میں رہنے کا انتظام کرنے سے پہلے انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انسان خود بخود اس دنیا میں نہیں آیا ہے بلکہ دنیا کے بنانے والے نے اسے کچھ دن کے لیے رہنے کا سامان دے کر یہاں بھیجا ہے اور بھیجنے کی غرض اپنے رسولوں کے ذریعہ اسے اچھی طرح سمجھا دی ہے۔ رب کے سامان سے کام لینے کے لیے اسے پیدائشی طور پہ تین بڑی قوتیں عطا ہوئی ہیں۔ خواہش، عقل اور فیصلہ کی قوت جسے ارادہ کہتے ہیں۔ خواہش کا تقاضا ہے کہ انسان اسے پورا کرے اور اس کے پورا کرنے کا ذریعہ مال کا جمع کرنا ہے۔ عقل اپنے خادم فکر کے ذریعے مال جمع کرنے کے طریقے سکھاتی ہے اور ارادہ ان طریقوں کو اپنے خادموں یعنی ہاتھ پاؤں کے ذریعے عملی جامہ پہناتا ہے۔ اللہ کے رسول اس لیے آتے ہیں کہ عقل کو یہ سمجھائیں کہ دماغ کی آزادی کے ساتھ فقط مال جمع کرنے ہی کی دھن میں لگائیں بلکہ اس کو اللہ کے قانون کے مطابق چلنا اور اسی کی قائم کی ہوئی حدوں کے اندر رہنا سکھائے۔ ورنہ آپس میں سخت مقابلہ آپڑے گا اور دنیا میں کشت و خون عام ہو جائے گا۔

قانون الٰہی انسان کو رسولوں کے ذریعے سکھایا جاتا ہے اور رسولوں پر وحی بھیجی جاتی ہے کہ اسے پڑھ کر لوگوں کو سمجھا دو۔ سب سے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سمجھایا ہے کہ مجھ پہ یہ وحی نہیں آئی کہ مال جمع کرنا مقصد زندگی قرار دوں۔ اس کے برعکس وحی یہ آئی ہے کہ اپنے رب کی حمد و ثنا کروں، اس کی خوبیوں کے گن گاؤں اور اس کے حضور سجدہ ریزی کروں۔ انسان کا بچاؤ فقط اسی میں ہے کہ انسان کو پہچانے اسی کے قانون کو مانے، اس کے سامنے عاجزی کے ساتھ سر جھکا کر ماتھا ٹیکے اور مرتے دم تک اس کے آگے بندہ بن کر رہے۔ اگر یہ نہیں کیا تو مال اور اس کے لوازم انسان کو تباہ کر کے چھوڑیں گے۔

آج کل ہر شخص انفرادی طور پر یا قومیں بنا کر یا جتھے بنا کر مال جمع کرنے کی دھن میں ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو اپنا الو سیدھا

(باقی ص پر)

ادارۂ تحریر
مولانا عبید اللہ انور
محمد سعید الرحمٰن علوی
زاہد الراشدی



رئیس التحریر
مفکر اسلام
قائد اسلامی انقلاب
مولانا مفتی محمود

جلد ۲۱ | شمارہ ۹ | ۱۵ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۷۵ء | فی کاپی ۶۰ پیسے

مفکر اسلام حضرت مفتی محمود صاحب

جدہ کانفرنس

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے سنگ میل ثابت ہوگی !!!

خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد مسلمان قوم عالمی سطح پر جس انتشار و پراگندگی کا شکار ہوئی وہ ایک انتہائی المناک داستان ہے۔ اس عرصہ میں مختلف مسلم ممالک اوّل تو غلامی کی لعنت کا شکار رہے اور جب رفتہ رفتہ آزادی سے ہمکنار ہوئے تو دنیا کی سپر طاقتوں روس و امریکہ کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم دنیا دو بلاکوں میں بٹ کر رہ گئی اور آپس میں اسلامی نقطہ نظر سے جس ربط و تعلق کی ضرورت تھی وہ عنقا ہو گیا۔

پہلی شخصیت جس نے کسی درجہ میں ملت اسلامیہ کے سوال پر سوچنا شروع کیا وہ متحدہ عرب جمہوریہ کے فرمانروا جمال عبدالناصر مرحوم تھے۔ انہوں نے سامراجی دنیا سے دلیرانہ ٹکر لینے کے بعد نہر سویز کو ان کے چنگل سے آزاد کروا کر جہاں مصری قوم میں خود اعتمادی کی کیفیت پیدا کی وہاں کئی دوسری ستم رسیدہ اور دکھی قوموں کے لیے جد و جہد کی راہیں کھول دیں۔

ناصر مرحوم کے متعلق ان کے بہی خواہ یا دشمن کچھ بھی کہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فلسفہ انقلاب کے ذریعہ منتشر اور بکھرے ہوئے عالم اسلام کو قریب لانے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے عالم عرب کو یکجا کرنے کا بیڑا اٹھایا کیونکہ یہ خطہ اپنی مخصوص روایات اور اسلامی نقطہ نظر سے اپنی مخصوص اہمیت کے پیش نظر عالم اسلام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہرچند کہ انہیں بہت کوسا گیا، طعنے دیے گئے لیکن انہوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ جس کی آخری کڑی ان کی زندگی میں اردن اور فدائین کے اختلافات کا خاتمہ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ معمولی کارنامہ نہ تھا۔ ان کے بعد قدرت نے عالم عرب کو ایک بھرپور اجتماعی قیادت نصیب فرما دی۔ جس میں شہید شاہ فیصل، صدر سادات، حافظ الاسد جیسے لوگ سامنے آ گئے۔ ان حضرات نے اپنی کوششوں کو

قوت سے جہاں قلب اسلام میں موجود اسرائیلی ناسور کو ناکوں چنے چبوا کر اس کے ناقابل تسخیر ہونے کا زعم باطل خاک میں ملا دیا۔ وہاں وسیع تر بنیادوں پر اتحاد و اتفاق کی کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ عالم اسلام کے مخلص رہنماؤں کی کوشش اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل سے ہر آنے والا دن پہلے سے کہیں زیادہ خیر و برکت کا پیغام لاتا ہے۔

آپ پچھلے دو تین سالوں میں اس سلسلہ میں ہونے والی کاوشوں کا غور سے جائزہ لیں گے تو آپ کو ہماری یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ کام کی رفتار اللہ کے فضل سے بہت خوب ہے۔

موجودہ جدہ کانفرنس جو وزرائے خارجہ کی سطح پہ ہوئی انتہائی بھرپور کانفرنس تھی جس میں عراق اور مالدیپ کو ممبر رکن بنایا گیا اور ترکی ایران پہلی مرتبہ شریک ہوئے۔ جناب یاسر عرفات آئے اور قبرصی ترکوں کے نمائندہ اور فلپائنی مظلوم مسلمانوں کے نمائندے نے بھی وہاں پہنچ کر اپنے بھائیوں کو حقیقت بتلائی۔

کانفرنس میں شاہ فیصل شہید کی کمی شدت سے محسوس کی گئی لیکن ان کے بھائی شاہ خالد اور ان کے فرزند پرنس سعود نے اس خلاء کو محسوس نہیں ہونے دیا۔ کانفرنس میں جو کچھ کہا گیا وہ سب کے سامنے آ چکا ہے۔ اس میں جو باتیں زیادہ قابل توجہ ہیں ان کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ:

۱- آئندہ کانفرنس کے لیے ترکی کے شہر استنبول کا انتخاب خوب بلکہ خوب تر ہے۔ اس شہر نے ایک مدت تک عثمانی فرمانرواؤں کو دیکھا، ان کی سطوت دیکھی ان کی ملی اور قومی خدمات کے نقوش آج بھی اس سرزمین کے چپہ چپہ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد ترکی عالم اسلام سے کچھ کٹ کر رہ گیا۔ الحمدللہ! ابھی کچھ عرصہ سے وہ صورت حال بدل گئی ہے اور اب ترکی ایک رکن کی حیثیت سے شریک محفل ہی نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے آئندہ میزبانی کے لیے خدمات بھی پیش کیں جو قبول کر لی گئیں۔ یقیناً اس کا بہترین نتیجہ مرتب ہوگا۔

۲- جن جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کی امداد و اعانت اور ان کے قومی تشخص کے لیے علیحدہ ونگ قائم کرنے کی تجویز بھی آ چکی ہے جسے نہ صرف سراہا گیا بلکہ باقاعدہ شکل دے دی گئی۔

۳- رمضان کے مبارک مہینہ کو اسلامی اتحاد کے مہینہ کے طور پر اپنانے اور اس میں سرکاری و غیر سرکاری طور پر فنڈز جمع کرنے کا فیصلہ ہو گیا یہ فنڈز اکثریت کا شکار مظلوم مسلم اقلیت کے لیے استعمال ہوگا۔

۴- فلسطین و شام کی طرف سے قرارداد آئی جسے اتفاق سے منظور کیا گیا اس کا مقصد اقوام متحدہ سمیت تمام عالمی اداروں اور تنظیموں سے اسرائیل کو نکلوانا ہے۔

واقعی یہ بڑی معرکہ کی قرارداد ہے اور ملت کے تمام ذمہ دار لوگوں نے اسے باہمی اتفاق سے منظور کر کے جو تہلکہ مچایا ہے۔ اس کا اندازہ امریکہ کے یہودی نژاد وزیر خارجہ کے شور و غوغا سے ہو سکتا ہے۔

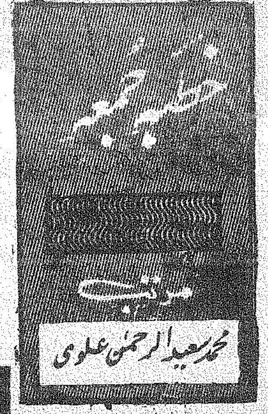
لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہمارے واجب الاحترام سربراہ اور ان کے نمائندے ثابت قدمی سے سفر کرتے رہے تو "سگانِ دنیا" کی آواز ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔

۵- ان فیصلوں میں پانچ کروڑ ڈالر کے ترقیاتی فنڈ کا بھی فیصلہ ہوا ہے۔

اس فنڈ اور اسلامی بنک جیسے منصوبوں کے قیام سے مسلم دنیا کی معاشی زبوں حالی کا بہتر علاج ہو سکے گا۔ اور دنیائے کفر و ضلالت کی طرف سے سود در سود کی جکڑ بندیوں کے ساتھ قرضوں کی لعنت سے نجات مل جائے گی۔

۶- سب سے زیادہ دوررس اور انقلابی نوعیت کا فیصلہ جو سیکرٹری جنرل جناب حسن التہامی کی تجویز پر ہوا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فدائیوں کے شانہ بشانہ لڑنے اور بیت المقدس سمیت پوری دنیائے عرب کو یہود مردود کے پنجۂ استبداد سے آزاد کرانے کے لیے دوسرے ممالک سے بھی رضاکار بھرتی کیے جائیں گے

(باقی ص ۲۰ پر)



ایمان و اعمالِ صالحہ کامیابی کی کلید ہیں

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ : لاسیما علیٰ رسولہ المجتبیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن بھدیہ مھتدا : امّا بعد : فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠

یہ آیت کریمہ گزشتہ جمعہ بھی تلاوت کی گئی تھی۔ لیکن اس دن اس کی روشنی میں حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان بالخصوص جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کیا گیا تھا جبکہ آج اس کی روشنی میں ایمان و اعمال صالح کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

جہاں تک ایمان کا تعلق ہے وہ بہرحال دنیا کی ہر چیز سے زیادہ باعث خیر و برکت ہے اور ایمان ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے بغیر کسی بھلائی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور ایمان صالحہ کے بغیر شجرِ ایمان بے رونق نظر آتا ہے۔ اس حقیقت کبریٰ کو مختلف پیرایوں میں قرآن عزیز میں بیان فرمایا گیا۔ جن میں ایک یہ آیت ہے۔ اس کے علاوہ سورہ عصر میں تمام دنیا کی ناکامی و نامرادی پر زمانہ اور تاریخ کو گواہ ٹھہرا کر ایمان و اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال لوگوں کو کامیاب فرمایا گیا۔ سورۂ نحل میں اعمال صالحہ سے سرفراز لوگوں کو حیات طیبہ کا سرٹیفکیٹ دیا گیا۔ اور آخرت کے اجر کو اس پر مستزاد بتلایا۔ علاوہ ازیں قرآن عزیز کے ایک ایک صفحہ پر ان دو لفظوں سے متعلق کچھ نہ کچھ آپ کو ملے گا۔ جہاں تک اس آیت کریمہ کا تعلق ہے اس میں دولت و سطوت قوت و حکمرانی کو ایمان و اعمال صالحہ کا منطقی نتیجہ قرار دیا اور فرمایا کہ یہ اللہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو ملک و زمین میں حاکم کر گیا جیسا کہ ان سے اگلے لوگوں کو حاکم کیا۔

گویا حاکمیت و قوت کو ایمان و اعمال صالحہ کا انعام قرار دیا۔ اور فرمایا کہ یہ حاکمیت اس طرح ہوگی جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حاکمیت نصیب فرمائی جیسے حضرات موسیٰ علیہ السلام ، داؤد و سلیمان علیہما السلام وغیرہ کہ یہ حضرات نبی کے ساتھ ساتھ خلیفہ و حاکم بھی تھے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان و اسلام سے وعدہ فرمایا کہ وہ نہیں بھی دنیا میں قوت و غلبہ عطا فرمائیں گے۔

اس قوت و غلبہ کا اصل سبب یہی ایمان ہے۔ جیسا کہ سورۃ انبیاء میں ہے اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ چنانچہ تاریخ عالم کے اوراق اس حقیقت کبریٰ کی گواہی دے رہے ہیں کہ مسلمان جب تک اس دولت سے مالا مال تھے اس وقت تک انہیں دنیا میں ہر طرح عزت و

کامیابی اور شوکت و سطوت حاصل رہی لیکن جب مسلمان اپنی روایات سے منہ موڑ بیٹھے تو قدرت کی طرف سے بطور تنبیہ ناکامی و نامرادی اور غلامی و ادبار نے ڈیرا جما لیا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم سے روایت نقل فرمائی کہ آپ نے فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے زمین میرے لیے ظاہر فرما دی۔ میں نے مشرق و مغرب میں اس کے آخری سروں کو دیکھا اور جہاں جہاں تک میں نے دیکھا میری امت پہنچے گی"

چنانچہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق خلافتِ راشدہ کے دور میں ہی اہل اسلام پوری دنیا میں پھیل گئے ایشیا، افریقہ اور یورپ کا کونہ کونہ ان کی زد میں تھا اور یہ سلسلہ غازی اورنگ زیب عالمگیر رح تک رہا لیکن اس کے بعد جب ایمانی قوت مضمحل ہو گئی اور اعمال صالحہ کی دولت سے محروم ہو گئے۔ تو حالات میں انقلاب آنا شروع ہو گیا حتیٰ کہ پوری دنیا میں مسلمان اغیار کا شکار ہو گئے۔ خلافتِ عثمانیہ جو ملت کی عظمت کا نشان تھی ختم ہو کر رہ گئی۔ افریقی اور عرب ممالک ظلم و استبداد کا شکار ہو گئے اور برصغیر تو آپ کے سامنے ہی ہے کہ یہاں کس طرح پریشانی کا دور دیکھنا پڑا۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ محض اس لیے کہ قوت و شوکت اور عظمت و سربلندی کے لیے ایمان کی شرط تھی۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ لیکن جب یہ شرط ہی نہ رہی تو پھر شکوہ بے جا اور فضول ہے۔ بلکہ شکوہ کرنے کے بجائے اپنے اعمال و کردار پر نظر ڈالنی چاہیے۔

طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد ذلت و نکبت اور ادبار و غلامی کا دور ختم ہوا تو یہ ضروری تھا کہ ہم اصلاح احوال کرتے، اپنا محاسبہ کرتے کہ ایمان و اعمالِ صالح کے اعتبار سے ہم کس موڑ پر ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ آج تک ایسا نہیں ہو رہا۔ بے عملی و بدعقیدگی کی ایک عام فضا ہے جس کا پوری ملت شکار ہے۔ اور باہمی لڑائی جھگڑے اور مصیبت کا باعث ہے۔

خود جب ہم اپنے یہاں دیکھتے ہیں تو ایمانی نقطہ نظر سے انتہائی افسوسناک صورت نظر آتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا حضور نبی کریم علیہ السلام کی محبت میں غلو و افراط کا مظاہرہ کرنا وغیرہ جیسی باتیں عام ہو چکی ہیں اور بدقسمتی یہ ہے کہ اس قسم کی بے اعتدالیوں کو عین دین سمجھا جاتا ہے اور جو اس پر ٹوکے اس کی کردارکشی کی جاتی ہے، اسے مطعون کیا جاتا ہے اور اسے گستاخ و بے ادب شمار کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ملک میں الحاد، بے راہ روی عام ہے۔ فسق و فجور کا دور دورہ ہے۔ اعمال صالحہ کرنے والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جب معاشرہ اتنے خطرناک انقلاب کا شکار ہو جاتے تو قدرت کی طرف سے نصرت و اعانت کا ختم ہو جانا لازمی ہے۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے:

"اگر اللہ تمہاری امداد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں رسوا کرے تو پھر کون ہے جو تمہاری اس کے بعد امداد کرے"

اس لیے انتہائی ضروری ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں اپنے اعمال کا جائزہ لیں، اپنی صفوں کو منظم کریں۔

خوشی کا مقام ہے کہ مدت ہائے دراز کی پریشان حالی کے بعد عالم اسلام منظم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی یہ کہ دینی اصلاح کا رنگ غالب ہے۔

اسلامی سیکرٹریٹ کا قیام جس کی نگرانی میں اسی ہفتہ جدہ میں وزراء خارجہ کی چھٹی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ ایک خوش کن اور مسرت افزا خبر ہے کہ اس میں پہلے سے کہیں زیادہ نمائندے شریک ہو رہے ہیں۔ عراق مستقل ممبر بن چکا ہے۔ ترکی کا نمائندہ پہلی مرتبہ آ رہا ہے اور بھی حضرات آ رہے ہیں۔ اس سے محسوس ہوتا ہے کہ عالم اسلام بیدار ہو رہا ہے۔ اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

مجلسِ ذکر

مرتب
محمد سعید الرحمٰن علوی

موت سے بڑھ کر کوئی چیز یقینی نہیں

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

محترم حضرات! یہ آیت کریمہ سورۃ جمعہ کے پہلے رکوع کی آخری آیت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے موت سے بھاگنے والوں کے لیے تنبیہ ارشاد فرمائی اور فرمایا کہ:

"آپ فرما دیجئے کہ موت تو وہی ہے جس سے تم بھاگتے ہو۔ سو وہ تمہیں ضرور ملنے والی ہے۔ پھر تم پھیرے جاؤ گے۔ اس چھپے اور کھلے جاننے والے کے پاس پھر جتلا دے گا تم کو جو تم کرتے تھے۔"

گویا موت کے یقینی طور پر واقع ہونے اور موت کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہو کر دنیا میں واقع ہونے والے اچھے برے اعمال سے آگاہ ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ موت کے یقینی طور پہ واقع ہونے اور موت کے بعد تمہیں اپنے اعمال سے آگاہی بھی ضرور ہوگی۔

جہاں تک ہمارے دنیا میں آنے کا تعلق ہے وہ یقینی اور ضروری نہیں اس لیے کہ واجب الوجود صرف اللہ کی ذات ہے۔ جس کے بغیر کسی کا وجود میں آنا ممکن نہیں۔ ہم ممکن الوجود ہیں لیکن آنے کے بعد دنیا سے جانا یقینی ہے اور اس کے متعلق کتنی ہی آیتیں قرآن عزیز میں موجود ہیں۔ مثلاً "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اور كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وغیرہ ذالک اور جہاں تک دنیا کا تعلق ہے اس کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ ایک آدمی سفر کرتا ہے راستہ میں کسی ضرورت سے اسے سٹیشن پر رکنا پڑتا ہے وہ انتظار گاہ میں چند منٹ گزارتا ہے اور بس۔

اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ یہاں کا قیام محض ایک ضرورت ہے اور وہ یہ کہ جو چند لمحات میسر آئے ہیں ان میں اللہ رب العزت کو راضی کر لیں آخرت اور موت کے بعد کی زندگی کے آرام کے لیے کچھ کر لیں۔ اس سے زیادہ نہ دنیا کی کوئی حیثیت ہے اور نہ اس سے زیادہ یہ دنیا پیار کی مستحق — بلکہ نبی کریم علیہ السلام نے اس دنیا کو مسلمان کیلئے قید خانہ قرار دیا اور کافر کے لیے باغ و جنت۔ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔ تو ظاہر ہے کہ قید خانہ خوشی و مسرت کا مقام نہیں محض مجبوری سے وہاں ٹھہرا جاتا ہے۔

اس مثال سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ دنیا جی لگانے کی جگہ نہیں بلکہ جی اگلے جہان کی طرف لگاؤ۔ آنے والا جہان ذہن میں رکھو اور جب آنے والا

جہاں ذہن میں ہوگا تو اعمال بھی وہی ہوں گے۔ جو اس جہان سے متعلق ہوں گے۔ کیونکہ آدمی کو جس چیز سے پیار ہوتا ہے اسی کے مطابق وہ کام بھی کرتا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ پیار تو آخرت سے ہو اور مست رہے دنیا میں۔

اسی حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے پہلے توجہ دلائی جہاں یہود کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ کے طرف تم ہی دوست ہو اور کوئی نہیں تو موت کی آرزو کرو۔ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔

کیونکہ موت کے بعد انسان اپنے رب سے ملتا ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ موت ایک ایسی پل ہے۔ جو وصالِ یار کا ذریعہ ہے۔ اس لیے جنہیں خدا سے پیار ہوگا وہ یقیناً اس وقت کی خواہش کریں گے جب وہ اپنے خالق و مالک سے ملیں۔ لیکن یہ آرزو تو وہی کر سکتا ہے جس نے تیاری بھی مکمل کر لی ہو۔ کیونکہ وہاں تو قرآن حکیم کے مطابق ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر برائی بھی سامنے آ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے جو بطور سی آئی۔ ڈی انسان کے ساتھ ہیں مکمل دستاویز تیار کر رہے ہیں، سب کچھ نوٹ کر رہے ہیں۔ یہی دستاویز سامنے آئے گی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے اپنے اعضا اور جسم کا ایک ایک حصہ شہادت و گواہی دے گا کہ اس نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا۔ جیسا کہ سورۃ سجدہ میں تصریح ہے اس لیے انسان وصالِ حبیب کے لیے اور اس دربار میں عزت کی جگہ پانے کے لیے اچھے اعمال کرتا ہے اور ہر حال میں خدا کو راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا۔ حضرت مدنی، حضرت میاں اصغر حسین، حضرت لاہوری رحمہم اللہ تعالیٰ کو کہ وہ اپنے آپ کو ہر وقت موت کے لیے تیار رکھتے تھے۔ ان پر بڑی سے بڑی بیماری آئی۔ لیکن حالت یہ رہی کہ کسی نے دعا کی بات کہی تو فرمایا۔

میاں! یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس بیماری سے مجھے مانوس کر دے کیونکہ بیماری خدا کی طرف سے ہے اور جب خدا راضی ہے تو ہم بھی راضی ہیں۔

اپنے موجودہ حضرت دین پوری مدظلہم کا یہ عالم ہے کہ شدید بیمار ہیں، پیشاب میں خون تک آتا ہے لیکن مرضئ مولیٰ پر راضی ہونے کی بات بھی اپنی مثال آپ ہے کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں آیا۔ کیونکہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اس زندگی کا ختم ہونا لازمی اور یقینی ہے اس کے بعد اللہ سے ملاقات ہوگی۔ اس ملاقات میں اعمال کے متعلق سوال ہوگا اور اگر یہاں اللہ میاں کی شکایتیں کرتے رہے تو خدا کی ناراضی یقینی ہے۔ اس لیے وہ لوگ ہر چیز خوشی اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔

ہمارے حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ مکہ معظمہ میں فرما رہے تھے کہ جس طرح صحت اللہ کی نعمت ہے اسی طرح بیماری بھی نعمت ہے۔ تھوڑی دیر میں کوئی صاحب آئے بیماری کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی۔ پاس بیٹھنے والے حیران ہوئے کہ اب نعمت کے ازالہ کی دعا کیسے ہوگی؟ تو آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا "اے اللہ! بعض لوگ بعض نعمتوں کے متحمل نہیں ہوتے۔ اس لیے ان صاحب کی نعمت دوسری نعمت یعنی صحت میں تبدیل کر دے۔"

دیکھیں کتنا پیارا انداز ہے ہر حال میں مرضئ مولیٰ پر راضی رہنے کا ایک سبق پڑھا دیا۔

اور جو آدمی ہر حال میں اپنے مالک کی مرضی کا طالب رہتا ہے۔ خدا اس کی مشکلات دور فرما دیتے ہیں اور اس کی موت آسان ہو جاتی ہے۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ یہ دنیا کچھ بھی نہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہؓ کو گندگی کے ڈھیر کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ دنیا کی مثال یہی کچھ ہے۔ اس لیے ہم سب کا فرض ہے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ہر وقت

(باقی صـ ۲۲ پر)

شمع نبوت کے جان نثار پروانے

از :- مولانا حافظ مہر محمد گوجرانوالہ

کسی پیغمبر کی دعوت پر بلا واسطہ اور سب سے پہلے جو حضرات ایمان لے آتے ہیں اور دینی تحریک کے عروج کے لئے اپنی جان عزت و دولت بلکہ زندگی کا ایک ایک دن اس کے اشاروں پر قربان کر دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا رتبہ حاصل کر لیتے ہیں کہ بعد میں آنے والی ساری امت بھی مجموعی طور پر تقویٰ اور اتباع پیغمبر کے مراتب عالیہ طے کرنے کے باوجود ان اصحاب نبی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی چنانچہ ہر اُمت میں یہ مسلم رہا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر پر اولاً اور براہِ راست ایمان لانے والی جماعت کو جو اس کے اصحاب کہلاتے تھے۔ سب اُمت سے افضل قابلِ احترام اور واجب الاقتدا سمجھتی تھی۔ اور ان سے اپنے نبی پر نازل شدہ شریعت اس کی تعلیمات اور رشد و ہدایت کے جملہ اصول سیکھتی تھی۔ انہیں قابلِ اعتماد اور ثقہ سمجھ کر ان سے دین حاصل کرتی اور انہی بزرگوں کو اپنے اور اپنے نبی برحق کے درمیان ہدایت کا واسطہ جانتی تھی یہود سے جب پوچھا گیا کہ تمہاری اُمت میں سب سے افضل کون لوگ تھے۔ تو سب نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب سب اُمت سے افضل تھے۔ جب نصاریٰ سے یہی سوال ہوا تو انہوں نے بھی بالاتفاق کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حواری اور اصحاب سب امت عیسوی سے افضل تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عظیم اکثریت اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام امت سے افضل اور امت کے مقتدا ہیں۔

اصحاب انبیاء علیہم السلام کی عام اُمت پر فضیلت کی اہم وجہ

انبیاء علیہم السلام کے اصحاب کی عام امت پر فضیلت کی اہم وجہ یہ واضح ہے کہ کسی نبی کی بعثت کے وقت اس کی جمیع اُمت اس کے سامنے یا روئے زمین پر موجود نہیں ہوتی۔ اس لئے جو لوگ اس نبی پر اولاً ایمان لاتے ہیں اور آپ کے ساتھ تبلیغی میدان میں ہر قسم کی جانی اور مالی قربانیاں دیتے ہیں۔ تو نبی وقت اپنے ان اصحاب اور اہل ایمان حضرات کا ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی برائیوں سے تزکیہ نفس کر دیتا ہے۔ اور انہیں اعلیٰ تعلیم و تربیت دیکر آئندہ نسلوں اور بقیہ اُمت کے لئے دین الٰہی کا مبلغ اور معلم بنا کر رخصت ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے نبی کی امانت یعنی تعلیمات ربانی کو بلا کم و کاست باقی اُمت تک پہنچاتے ہیں۔ تو درحقیقت یہی حضرات اپنے نبی اور اس کی بقیہ اُمت کے درمیان تبلیغ دین کا اہم واسطہ اور مضبوط کڑی ہوتے ہیں۔

جیسے خود انبیاء علیہم السلام منجانب اللہ اپنی امت اور خدائے عزوجل کے درمیان ایک واسطہ ہوتے ہیں اور عام بنی نوع انسان اللہ پاک سے شرف مکالمہ اور مخاطبہ کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے سب انبیاءؑ سب انسانوں سے افضل ہوتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھی ان کے اور باقی امت کے درمیان ایک واسطہ ہوتے ہیں۔ اور شرف دیدار پیغمبر اور مکالمہ سے محروم افراد تک یہی شریعت پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا سب امت سے افضل ہوتے ہیں اور سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے اُمت کے ذمے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر پر اعتماد کر کے ان کی بات غور سے سنے اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر راہ ہدایت پائے۔ اسی طرح غیر اصحاب پیغمبر پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ اپنے اصحاب پیغمبر پر اعتماد کر کے ان سے دین حاصل کریں۔ اور ان کی اتباع کر کے راہ ہدایت پر مستقیم رہیں۔ اگر اس واسطے سے وہ امت اعتبار اٹھا لے یا تعلیمات نبوی کے ان اوّلین راویوں پر نقد و جرح شروع کر دے یا ان پر نفاق خود غرضی اور معاصی کے الزامات تراشنے لگے تو وہ اُمت اپنے نبی کی تعلیمات ہرگز حاصل نہ کر سکے گی بلکہ اس امت کے سارے دین کی عمارت بنیاد ہی سے منہدم

ہو جائے گی۔ اور وہ کبھی بھی اصحاب نبی پر اس بد اعتمادی اور ان کے ایمان و اعمال صالحہ اور عدالت وثقاہت پر نقد وجرح کی بدولت راہ حق نہیں پا سکتی۔

اصحاب رسولؐ کی شان

قرآن حکیم اور تاریخ امم سے مستنبط۔ نیز فطری و عقلی اسی اصل اور قاعدہ سے اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا سواد اعظم اور بڑی اکثریت۔ فرقہ شیعہ کے ماسوا۔ عہد نبوی سے لے کر تا ہنوز یہ اجماعی اور متفقہ عقیدہ رکھتا ہے۔ کہ جن لوگوں نے ایمان کی حالت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کے انوار سے اپنی آنکھوں کو منور و مشرف فرمایا اور ایمان سے رخصت ہوئے۔ وہ تادم زیست۔ طاہر۔ مخلص۔ راستباز۔ صادق القول۔ عادل اور ثقہ تھے۔ اور انبیا علیہم السلام کے بعد تمام خلائق سے افضل تھے۔ کیونکہ مزکیٔ اعظم اور معلم کائنات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس کا فریضہ سرانجام دیا۔ اور کفر و شرک حسد و بخل ریا کاری۔ وجاہ طلبی۔ حب دنیا۔ طمع مال۔ ظلم و تعدی خود غرضی و بے وفائی۔ بدنیتی نفاق وغیرہ جملہ امراض قلبیہ سے ان کے قلوب کو پاک اور مصفی کر دیا جیسے خود خدا نے گواہی دی۔ ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولٰئک ھم الراشدون۔ (الحجرات) لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو پسند فرمایا اور تمہارے دلوں میں اسے سجا دیا اور کفر نافرمانی۔ اور گناہ سے تمہیں بیزار کر دیا۔ یہی لوگ سیدھی راہ پر ہیں۔ نیز فرمایا

"اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ (مجادلہ)

یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا۔ اور اپنی روح سے ان کی تائید فرمائی۔ اسی طرح ان کو راشد۔ نیکوکار اور ہدایت یافتہ ہونے کی سند دیدی ان کو حزب اللہ خدائی لشکر کا تمغہ دیا۔ مومنوں حقا کی دستار فضیلت ان کے سر پر باندھی۔ ھم المفلحون یہی کامیاب ہیں۔ ھم الصادقون یہی لوگ سچے ہیں ھم الغالبون یہی فاتح و غالب ہیں۔ کے پروانے کو عطا فرمائے یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔ وہ ان قربانیوں سے صرف اللہ کا فضل اور اسکی رضا چاہتے ہیں سے ان کے اخلاص پر مہر تصدیق ثبت کی۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے القاب سے ان کو سرفراز کیا۔

اعد لھم جنات۔ ان کے لئے بہشت تیار کر رکھے ہیں کے مواعد و بشارات سے ان کی قربانیوں کو شرف قبولیت سے نوازا غرض ہر طرح ان پر اپنی ظاہری اور باطنی دنیوی و آخروی تمام نعمتوں کا اتمام فرمایا

یقیناً حضرات صحابہ کرامؓ مذکورہ بالا صفات سے موصوف تھے۔ اور تادم زیست موصوف رہے کیونکہ ان اوصاف اور نتائج کی خبر خود علام الغیوب ہستی نے دی ہے۔ وہ علیم و خبیر ذات جانتی تھی کہ ان قدوسیوں سے ایسی کوئی خطا آخر دم تک سرزد نہیں ہوگی۔ جو اس کی رضامندی اور جنات النعیم کی بشارتوں کو باطل کر سکے یا ان کی ثقاہت و عدالت پر اثر انداز ہو ورنہ وہ کبھی دین اور مومنانہ اوصاف سے برگشتہ ہونے والوں کے متعلق ایسی خبریں نہ دیتا کیونکہ اس سے اس کے علم کی تغلیط لازم آتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے کارنامے

جب عالم دنیا میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ان کو منتخب فرمایا۔ اور کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کی رہنمائی کے لئے پیدا کی گئی تم اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے ہو کی ڈگری ان کے ہاتھ میں دیدی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر معلم انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی۔ الا فلیبلغ الشاھد الغائب۔ سنو حاضرین پچھلوں تک دین پہنچائیں۔ کی سند تبلیغ ان کو دیدی تو یہ حضرات چار دانگ عالم میں پھیل گئے۔ لسان سے تبلیغ اسلام اور شمشیر و سنان سے جہاد فی سبیل الرحمٰن کا مشن جاری رکھا۔ اپنی خداداد حرارت ایمانی سے کفر و شرک اور مخالف اسلام طاغوتی قوتوں کے غلیظ ڈھیروں کو خاکستر کر ڈالا۔ اطراف عالم میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نعرۂ حق گونجنے لگا اور بت خانوں اور آتش کدوں میں خاک اڑنے لگی۔

کس کی ہیبت میں صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کر ہو اللہ احد کہتے تھے۔

جب یہ جانشینان پیغمبر اور مبلغین اسلام کی حیثیت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوئے تو ان کے تبلیغی میدان کی وسعت کیلئے اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں شہر اور قلعے اور بیسیوں ممالک ان کے ہاتھ پر فتح کئے حتیٰ کہ روم و ایران جیسی عظیم اور مستحکم قوتیں ان کی قوت ایمانی کے سامنے پاش پاش ہوگئیں۔ کفر نے ہر طرف ذلیل ہو کر شکست کھائی اور ان کے ایوانوں

(باقی صـــ پر)

مسائلِ زکوٰۃ

مرتبہ: مولانا عبدالجلیل، کوٹ ادو

زکوٰۃ ہر اس عاقل و بالغ مسلمان پر ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اتنی مالیت کا تجارتی سامان یا نقد روپیہ رکھتا ہو (عالمگیری ج ۱ صـ۸۸)

مذکورہ مالیت رکھنے والے کو صاحبِ نصاب کہتے ہیں۔ مذکورہ قسم کے نصاب پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ خیرات کرنا فرض ہے۔ (عالمگیری ج ۱ صـ۸۹)

مسئلہ: زکوٰۃ سال پورا ہونے پر ہوتی ہے۔ جو رقم پہلے ختم ہو جائے اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ (عالمگیری ج ۱ صـ۹۰)

مسئلہ: اگر فقط چاندی ۵۲½ تولہ سے کم ہو یا سونا ۷½ تولہ سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں۔ البتہ اگر کچھ چاندی یا نقد روپیہ وغیرہ تو تمام کی مجموعی رقم اگر ۵۲½ تولہ چاندی کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری ج ۱ صـ۹۲)

مسئلہ: اگر سال کے اوّل و آخر میں صاحبِ نصاب ہے اور درمیان سال میں نصاب سے کم رہا تو بھی زکوٰۃ ہے۔ درمیان میں کم ہونے سے زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی۔ (عالمگیری ج ۱ صـ۹۰)

البتہ اگر سب مال جاتا رہے تو جب مال ملے اس وقت سے سال کا حساب ہوگا۔

مسئلہ: قرضہ کی رقم نفی کر کے زکوٰۃ فرض ہوگی۔ مثلاً کسی شخص کے پاس ایک ہزار روپیہ ہے اور پانچ صد روپیہ کا مقروض ہے تو پانچ سو کی زکوٰۃ دی جائے۔ اگر قرض اتنا ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں بچتا یا نصاب سے کم رہتا ہے۔ تو زکوٰۃ نہ ہوگی۔ (قدوری صـ۶۱ - ہدایہ ج ۱ صـ۱۶۶)

مسئلہ: چاندی سونے کا زیور ہو یا برتن ہو استعمال میں ہوں یا نہ ہوں۔ ہر صورت میں زکوٰۃ ہے۔ ان کے علاوہ دوسری اشیاء مثلاً لوہا، تانبا پیتل، کپڑا، اناج وغیرہ اگر تجارت کے لیے ہوں تو زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری ج ۱ صـ۸۹)

مسئلہ: سکونتی مکانات، استعمال کے آلات مثلاً ٹریکٹر، سائیکل موٹر، پریس وغیرہا کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح کام کرنے یا دودھ وغیرہ کے لیے جو جانور ہوں۔ ان پر بھی زکوٰۃ نہیں — (عالمگیری ج ۱ صـ۹۲ امداد الفتاویٰ ج ۲ صـ۳۸)

مسئلہ: تجارت کے لیے وہ مال کہلاتا ہے جو تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہو۔ اگر گھر میں استعمال کی نیت سے کوئی چیز خریدی اور بعد میں تجارت کا خیال کر لیا۔ تو جب تک فروخت نہ ہوگی زکوٰۃ نہ ہوگی۔ البتہ تجارت کی نیت سے خرید کیے گئے سامان کے متعلق محض استعمال کی نیت کرنے سے بھی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ (فتح القدیر ج ۱ صـ۴۹۲)

مسئلہ: جو قرض آپ نے کسی کو دیا ہوا ہے۔ اگر مقروض اقراری ہے یا اس پر مضبوط گواہ موجود ہیں کہ عدالت کے ذریعہ بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔ اس رقم کی بھی زکوٰۃ دی جائے۔ البتہ اگر وصول کی امید ختم ہوگئی ہے تو وصول ہونے پر زکوٰۃ دینی ہوگی۔ (فتح القدیر ج ۱ صـ۴۸۹)

رہا یہ سوال کہ صرف ایک سال کی زکوٰۃ ہے یا گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ دے۔ اس میں قرض کی مختلف صورتیں ہو جانے کی وجہ سے تفصیل ہے۔

بوقت ضرورت کسی معتمد عالم سے دریافت کر لیا جائے۔

مسئلہ: اگر ملازم تنخواہ سے کچھ رقم پراویڈنٹ فنڈ میں خوشی سے جمع کراتا ہے تو اس جمع شدہ رقم کی ہر سال زکوٰۃ دینا ہوگی۔ البتہ اگر ملازم خوش نہیں بلکہ جبریہ وضع کی جاتی ہے تو وصول ہونے پر زکوٰۃ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم کراچی)

مسئلہ: صاحب نصاب شخص پیشگی بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ حساب کرتا رہے۔ اگر کئی سال کی دے دی ہو تو جس سال مال زیادہ ہو تو اس سال زیادتی کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ (عالمگیرہ ص ۹ / ۱۲)

مسئلہ: سال تمام ہونے پر زکوٰۃ دینے سے قبل کل مال چوری ہو جائے یا خیرات کر دیا تو زکوٰۃ معاف ہو گئی۔ اگر کچھ چوری ہوا تو اسی حصہ کی معافی ہوتی (ہدایہ اول ص ۱۷۴) البتہ اگر خود ضائع کر دے مثلاً دریا میں ڈال دیا یا آگ لگا دی تو زکوٰۃ معاف نہ ہوگی۔

مسئلہ: سال گزرنے پر جتنی جلدی ہو جائے زکوٰۃ ادا کر دینی چاہیے۔ نیک کام میں کیا دیر۔ اچانک موت آ جاتی ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۸۰)

مسئلہ: جس وقت زکوٰۃ دی جائے یا زکوٰۃ کی رقم علیحدہ رکھی جائے۔ کسی ایک وقت زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی — (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۹۴) البتہ اگر وہ چیز محتاج نے صرف نہ کی ہو۔ پھر بھی زکوٰۃ کی جا سکتی ہے۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۸۸)

مسئلہ: نیت ضروری ہے بتلانا ضروری نہیں۔ بلکہ بعض افراد شرم کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں لیتے حالانکہ محتاج ہوتے ہیں انہیں بغیر بتلائے دینا ہی اچھا ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۸۸)

مستحقین زکوٰۃ

جو شخص ۵۲½ تولہ چاندی یا اس کی مالیت کا تجارتی یا ضرورت سے زائد سامان یا نقد روپیہ و زیور نہ رکھتا ہو۔ وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے البتہ حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عقیلؓ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اولاد کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ ان حضرات کی امداد اپنے دوسرے مال سے کی جائے۔ یہی حکم دوسرے صدقاتِ واجبہ کا ہے۔ اسی طرح باپ، دادا، پردادا، ماں، نانی وغیرہ جن کی اولاد میں خود داخل ہے۔ اور لڑکا لڑکی، ان کی اولاد در اولاد کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں۔ خاوند اور بیوی بھی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام رشتہ دار مثلاً بھائی، بہن، چچا اور ان کی اولاد وغیرہ اگر غریب ہوں تو انہیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے (عالمگیری ج ۱ ص ۹۰) بلکہ فرض کی ادائیگی کے علاوہ صلہ رحمی کا ثواب بھی ملے گا۔

مسئلہ: اگر لڑکا لڑکی نابالغ اور غریب ہوں اور ان کا باپ مالدار ہے تو ان بچوں کو زکوٰۃ دینی درست نہیں البتہ اگر بالغ ہوں اور غریب ہیں تو جائز ہے۔ اگرچہ باپ کتنا ہی امیر و کبیر کیوں نہ ہو یا چھوٹے غریب بچوں کا باپ بھی غریب ہے تو یہ بھی زکوٰۃ کے مستحق ہیں ماں اگرچہ مالدار ہو (عالمگیری ج ۱ ص ۹۰)

مسئلہ: مقروض زکوٰۃ کا مستحق ہو تو اسے قرضہ میں دی ہوئی رقم زکوٰۃ میں نہیں دی جا سکتی۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۱۳) البتہ اگر اپنے پاس سے اور رقم زکوٰۃ میں دی جائے تو اسے قرضہ میں وصول کرنا جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۴)

مسئلہ: سفر شرعی میں اگر خرچ ختم ہو جائے یا مال چوری ہو جائے تو ایسے مسافر کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ یہ گھر میں صاحبِ نصاب بھی ہو۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۵)

مسئلہ: جب تک فقیر یا اس کا ولی وغیرہ قبضہ نہ کرے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۰)

مسئلہ: اگر کسی شخص پر آپ کا قرضہ ہو تو اگر مستحق زکوٰۃ کو وصول کرنے پر مقرر کر دیا

جائے اور زکوٰۃ کی نیت کر لی تو درست ہے۔ (عالمگیری ج ا ص۳۵)

مسئلہ: مستحق زکوٰۃ کو اتنی رقم دینا مکروہ ہے جس سے وہ صاحب نصاب ہو جائے۔ البتہ اگر وہ صاحب عیال ہے تو ہر ایک کے حصہ میں اگر نصاب سے کم رقم آتی ہے تو مکروہ نہیں۔ (عالمگیری ج ا ص۱۹۶) کم از کم اتنی رقم دینا مستحب ہے جو ایک یوم کے لیے کافی ہو جائے (عالمگیری ج ا ص۹۶)

مسئلہ: زکوٰۃ کے اولین مستحق بھائی، بہن ان کی اولاد، پھر چچا، پھوپھی، ان کی اولاد، پھر ماموں، خالہ، ان کی اولاد، پھر اور رشتہ بعدہٗ پڑوسی ہم پیشہ، پھر بستی والے ہیں۔ (عالمگیری ج ا ص۹۷)

مسئلہ: دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر رشتہ دار ہوں یا وہ زیادہ محتاج ہوں یا وہ متقی پرہیزگار ہوں تو مکروہ نہیں۔ (عالمگیری ج ا ص۹۷)

مسئلہ: زکوٰۃ میں جگہ کا اعتبار مال سے ہوتا ہے۔ خواہ رہائش اور جگہ ہو اور صدقہ فطر میں رہائش کا اعتبار ہے۔ مال جہاں کہیں بھی ہو۔ (عالمگیری ج ا ص۹۷)

مسئلہ: بے سمجھ نابالغ کے ہاتھ میں دینے سے زکوٰۃ نہ ہو گی۔ جب تک اس کا ولی سرپرست قبضہ نہ کرے البتہ اگر وہ عاقل ہے تو قبضہ کافی ہے۔ (عالمگیری ج ا ص۹۸)

بقیہ: خطبہ جمعہ

چکا ہے اور وہ اجتماعی طور پر حالات کو سمجھ کر اپنے حسین ماضی کی طرف لوٹنے کے لیے بے تاب و بے چین ہے۔

در اصل جب کوئی قوم بیدار ہو جاتی ہے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے عزم سفر کر لیتی ہے تو پھر خدا کی امداد اس کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ناصر مرحوم نے پوری سامراجی دنیا سے ٹکر لے کر نہر سویز آزاد کرائی۔ اس کے بعد ۶۷ء کا حادثہ پیش آیا۔ لیکن اس سے بڑھ کر حادثہ اردن میں فدائیین اور اردنی فوجوں کی جنگ تھی جسے مرحوم ناصر نے کمال تدبر سے بند کرایا۔ اور اس کے بعد جنگ رمضان میں اسرائیل کے ناقابل تسخیر ہونے کا غرور مٹ گیا۔

آج اللہ کے فضل سے شاہ فیصل مرحوم کے جانشین شاہ خالد، سادات، حافظ الاسد، بومدین، شاہ اردن، شاہ مراکش اور یاسر عرفات ایک ہی مقام پر ہیں۔ ایشیا و افریقہ کے متعدد ممالک ان کے شانہ بشانہ ہیں۔ اور یہ حضرات محض سیاسی قوت مجتمع کرنے پر ہی توجہ نہیں دے رہے ہیں بلکہ معاشی، معاشرتی، تعلیمی، تمدنی اور تہذیبی۔ غرض ہر اعتبار سے اصلاح احوال کے لیے کوشاں ہیں۔

اور مجھے یقین ہے کہ اگر یہ سفر اسی طرح جاری رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد ملت اسلامیہ ایک بار پھر قوت بن کر دنیا پر غالب آجائے گی اور وعدہ خداوندی لیظہرہٗ علی الدین کلہٖ حکومت و سطوت کے اعتبار سے بھی پورا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاح احوال کی توفیق دے۔

بقیہ: احادیث الرسولؐ

کرنا چاہتا ہے جس منزل تک دنیا اس وقت تک پہنچی ہے اس میں اور تباہی میں برائے نام تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا ہے۔ اگر یہی سلسلہ چلتا رہا اور اللہ کی بندگی اختیار نہ کی گئی تو پھر سن لیجئے ایک شاعر کہتا ہے اور اس حدیث سے بھی یہی سمجھ آتا ہے کہ ؎

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا
خزاں کے روز جب دیکھا نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو کر یہاں غنچہ یہاں گل تھا

بائبل اور قرآن

تحریر: خالد محمود عارف لاہور

یوں تو یہ سوال کچھ نیا نہیں کہ کیا قرآن حکیم بائبل (BIBLE) سے ماخوذ ہے؟ قدیم مشرکین بھی اسے اساطیر الاولین (اگلوں کی قصہ کہانیاں) قرار دیتے تھے۔ مگر جدید مشرکین (مستشرقین) تو وا شگاف لفظوں میں قرآن کریم کا رشتہ بائبل سے جوڑنے پہ ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جس طرح اگلے زمانے کے مشرکین ہر قسم کے دلائل سے تہی اور محض ظن وگمان سے مسلح تھے۔ اسی طرح اس دور کے مخالفین بھی براہین کی دنیا میں مفلس محض ہیں۔ اور صرف اندازے اور تخمینے کے پجاری ہیں۔ جس طرح دور گذشتہ کے جہلاء دلیل سے زیادہ دعوے پر زور دیتے ہیں۔ اسی طرح آج کے "احمق" بھی دعوے کی رٹ بڑے زور سے لگاتے ہیں۔ مگر اثبات دعویٰ کی منزل میں بُری طرح پچھاڑے جاتے ہیں۔

آج ہم بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ یورپ اپنی علم وفضل بھی اس دعوے کو ثابت کرنے میں پوری طرح ناکام ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلعم نے بائبل کے علوم حاصل کئے تھے۔ گو اس کو ثابت کرنے کے لئے تمام عیسائی دنیا ایڑی چوٹی کا زور لگا چکی ہے۔ مگر یہ سوالات ابھی تک باقی ہیں۔ کہ آپؐ نے بائبل کس سے پڑھی؟ کس زمانے میں پڑھی؟ کس کے سامنے پڑھی؟

فرنچ مصنف کی شہادت

جس ماحول میں آنحضرتؐ کی ولادت اور پرورش ہوئی۔ کیا اس ماحول کو بائبل اور اس کے مضامین سے کچھ علاقہ تھا؟ جس معاشرہ میں آپؐ نے آنکھ کھولی اس میں کون تھا۔ جو آپؐ کو بائبل پڑھا سکتا؟

علامہ شبلی اپنی کتاب الکلام میں لکھتے ہیں:۔

"عیسائیوں نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے بہت کوشش کی ہے۔ کہ آنحضرتؐ پڑھے لکھے تھے۔ تورات وانجیل سے واقف تھے۔ اور جرجیس نامی عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا۔ کیونکہ اس زمانہ کی تورات وانجیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے۔ جو خود ان کا خدا تھا۔ فرانس کا مشہور فاضل کاؤنٹ ہنری دی کاستری اپنی کتاب "اسلام" میں لکھتا ہے:۔

"ان روایات کا پتہ لگانا کہ جن سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرتؐ نے عیسائیوں، یہودیوں اور ستارہ پرستوں کے عقائد بالمشافہ حاصل کئے تھے فائدہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ اس سے ان مقامات کی تشریح ہوتی ہے جہاں قرآن کریم اور تورات کی آیتیں ہم مضمون ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ درجہ دوم کی بحث ہے۔ کیونکہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ لیکن یہ مشکل حل نہیں ہوتی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ مذہبی روح کیونکر پیدا ہوئی۔ اور روحانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیونکر پیدا ہوا۔ جو ان کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا"

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے:۔

یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد تورات اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہو۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کتابوں کو پڑھا ہوتا تو ان کو اٹھا کر پھینک دیا ہوتا۔ کیونکہ ان کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھیں۔ اس قسم کے اعتقاد کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامور تھے"۔

"الکلام ۔ ص۱۵ مطبوعہ کراچی پاکستان"

اس فرنچ[۱] مصنف نے اپنے مختصر مگر جامع لفظوں میں اپنے دعوے پر جو دلیل دی ہے وہ حقیقت میں بے نظیر ہے۔ غور کیجئے عیسائیوں کے پاس کیا تھا؟ اور اب تک کیا ہے۔ تین میں ایک اور، ایک میں تین۔ یہ فلسفہ آج تک کسی کو سمجھ آ سکا ہے؟ ظاہر ہے اگر آنحضرتؐ ان سے تعلیم حاصل کرتے تو اس قسم کی باتیں فرماتے مگر سارا قرآن اٹھا کر دیکھ لیجئے اس قسم کے عقائد کی تردید تو مل جائے گی۔ مگر اثبات میں ایک شوشہ تک نہیں پایا جاتا۔

---

۱ (FRUNCH)

یہودی کرن سے علوم کے حامل تھے؟ ان کی مذہبی کتابیں کیا تھیں۔ خرافات اور لایعنی باتوں کا مجموعہ۔ آسمانی کتابیں اور صحیفے تو ختم ہو چکے تھے۔ البتہ یہودیوں کی خود ساختہ کتابیں باقی تھیں جو آج تک نقل در نقل چلی آتی ہیں۔ اور وہ جس خدا کی تلقین کرتی ہیں وہ انسان سے کچھ ہی بڑا ہوگا۔ ورنہ بیشتر چیزیں ایسی ہیں جن میں خدا اور بندے میں پوری طرح برابری پائی جاتی ہے کیا اس سے قرآن حکیم کے مضامین اخذ کئے جا سکتے ہیں جس نے سب سے پہلے دنیا میں خدائے واحد کی حقانیت کا صور بلند بانگی سے پھونکا۔

ستارہ پرست (صابئین) جس مذہب کے پیرو تھے اس سے کچھ اخذ کرنا تو بالکل ہی لایعنی سی بات ہے۔ جس قوم کا نام ہی ستارہ پرست ہو۔ بھلا اس سے توحید کی باتیں کیونکر اخذ کی جا سکتی ہیں۔

لیکن اس کے باوجود اگر کسی کو اپنی بات پر اصرار ہو تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں ؎

ایسے قائل کا کیا کرے کوئی؟

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ بعض نام نہاد مسلمان[1] بھی یورپ کی بانسری کی لے سے متاثر ہو گئے اور خود بھی انہی کی ہم نوائی شروع کر دی غور کیجئے۔ کہ ایک شخص جس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی! کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا، نہ قلم ہاتھ میں پکڑا، نہ اقلیم علم کی سلطنت میں باب تعلم سے قدم رکھا تو وہ اچانک ایسی کلام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جس میں رشد و ہدایت کے وہ تمام چراغ روشن ہیں جن کی کسی بھی انسان کو ضرورت ہو سکتی تھی۔ اس میں تمثیلات بھی ہیں اور قصص و حکایات بھی، مواعظ و نصائح بھی ہیں۔ درس و تعلیم بھی، کہیں ذات باری کے متعلق وہ نکات ہیں کہ جن پر انسانیت نثار ہو گئی۔ انبیاء سابقین کا ذکر ہے تو ان کی حیثیت اور رتبہ کو نظر رکھتے ہوئے کوئی گذشتہ زمانے کی حکایت تمثیل کے پیرایہ میں مذکور ہے۔ تو اس طرح کہ تاریخ کی روشنی اس کی صداقت و راستی کی شاہد عدل بن گئی۔ الغرض جو کچھ اس میں ذکر ہے وہ ایسی خوبی اور صفائی کے ساتھ ہے کہ سچ مچ پیرا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے لفظ جچے تلے۔ الفاظ مختصر مگر جامع، اسلوب ایسا کہ اس پر عہد جاہلیت کے تمام دواوین، قربان اس میں شک نہیں کہ بعض حکایات و روایات بائبل کے مطابق ہیں۔ اور بعض مخالف بھی۔ لیکن یہ تو اور بھی قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں کہ اس کتاب میں صرف تخیلاتی، اور تصوراتی حد تک ہی گفتگو نہیں۔ بلکہ اس میں ایسی تمثیلات ہیں جو عالم تحریر میں آ چکی ہیں اور جن کی صداقت سب کے نزدیک مسلم ہے۔ قرآن کریم نے انہی مشہور عام باتوں سے استدلال اور استقرائی نتیجہ برآمد کرنے میں اپنا کمال دکھایا۔

تقابل کا طریقہ

اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ آیا قرآن کریم کے مضامین بائبل سے ماخوذ ہیں تو اس کا فیصلہ اصول کے تقابل سے کیا جا سکتا ہے اور حکایات اور قصص کے بیان سے نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کتاب سے استفادہ کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کے بنیادی اور اساسی اصول و قوانین کو بعینہٖ رہنے دے اور ان کے بارے میں جو توضیح و تشریح۔ تفسیر و تعبیر اس کتاب میں موجود ہو وہی اختیار کرے۔

لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ مرکزی اصول و ضوابط کی تشریح و تعبیر دو کتابوں میں دو مختلف اور بالکل مخالف شکل میں پائی جاتی ہو تو ایسی صورت میں ہم قطعاً ایک کو دوسرے کا چربہ قرار نہیں دے سکتے۔ مگر بدقسمتی سے یورپ کے محققین جب بائبل اور قرآن کے موازنہ پر کچھ لکھتے ہیں یا سوچتے ہیں تو وہ اس بنیادی نکتہ کو فراموش کر دیتے ہیں اور قصص و حکایات کو اپنی تحقیق اور توجہ کا مستحق سمجھتے ہوئے مذکورہ بالا دونوں کتابوں کا تقابل شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے۔ چہ جائیکہ جو اس غلط اور غیر مستقیم صورت سے نتیجہ برآمد ہو۔ اسے صحیح قرار دیا جائے؟

اس نہج پر اگر قرآن کریم اور بائبل کے مضامین کا غیر متعصبانہ ذہن سے مطالعہ (STUDY) کیا جائے تو اس سے جو نتیجہ برآمد ہوگا وہ یہ ہوگا کہ:

"اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بائبل کو پڑھا ہوتا۔ تو اٹھا کر پھینک دیا ہوتا۔ کیونکہ یہ ان کے وجدان اور ذوق کے مخالف تھیں"۔ "اسلام" کانٹ ہنری۔ دی کاستری

اور خرابی جو پیدا ہوتی ہے وہ دیدہ دانستہ دوسرے طرز عمل کے اختیار کرنے سے یا ایک خاص ذہن رکھ کر مطالعہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

اساسی نکات

قبل اس کے کہ ہم اس اصول کے مطابق قرآن کریم اور بائبل کا باہمی تقابل دیکھنا چاہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے اساسی اصول و ضوابط کا تعین کر لیا جائے تاکہ اس پر مستقیم راہ عمل کا اختیار کرنا ممکن ہو سکے قرآن کریم کے اساسی نکات حسب ذیل ہیں۔

---

[1] نیاز فتحپوری نے اپنے ماہنامہ رسالے نگار بابت ماہ جون ۱۹۴۰ء میں اسی عقیدے کا اظہار کیا تھا۔

(۱) خدا پر ایمان

(۲) رسالت پر یقین

(۳) معاد آخرت پر اعتقاد

(۴) جزاو سزا کا وثوق

اور میرا خیال ہے کہ تمام آسمانی مذاہب میں یہ اصول قدر مشترک کا درجہ رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اسلام میں ان اصول اربعہ پر تمام عمارت کو قائم کیا گیا ہے اسی طرح انہی اصول وضوابط پر ہر مذہب کی (بشرطیکہ مذہب ہو) عمارت استوار ہوتی ہے۔ خواہ وہ مذہب موسوی ہو یا شریعت عیسوی جب تک ان اصول اربعہ کا تصور پوری قوت کے ساتھ موجود نہ ہوگا اس وقت تک کوئی مذہب مذہب ہو ہی نہیں سکتا۔

اب دیکھنا یہ ہوگا کہ ذات باری، رسالت، معاد، جزاو سزا کے متعلق بائیبل اور قرآن کریم کی توضیحات و تشریحات کس حد تک ہم آہنگ ہیں۔ اور ان میں جو تعبیر و تعبیر ان کے بیان میں اختیار کی گئی ہے وہ کس حد تک دوسری کے ہم معنی، ہم مضمون، ہم مفہوم ہے۔

اس پر اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر فی الواقعہ قرآن کریم بائیبل سے ماخوذ ہوا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی تشریح و تعبیر بہت حد تک بائیبل کے مطابق ہوگی۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس پر تعجب نہ ہوگا۔ البتہ یہ امر کی دلیل ہوگی کہ:۔

"اس قسم کا اعتقاد (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامون تھے۔"

"اسلام" آف کاؤنٹ ہنری ڈی کاسٹری

بقیہ: شمع نبوت کے پروانے

پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔ شاعر مشرق انہی پر ناز کرتے ہوئے خدا کے حضور کیا خوب جرات سے کہتا ہے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا در خیبر کس نے
شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے
کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدہ ایران کو
کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو

جو دنیا ظلمت کدہ اور ویران تھی وہ آج شمع محمدی علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے ان پاک نفوس پروانوں کی بدولت نور ایمان سے منور اور عدل وانصاف سے معمور ہو گئی۔ جو لوگ چاند سورج۔ تاروں۔ سیاروں کی پرستش اور انبیاء و اولیاء کی یادگاریں تراشیدہ مجسموں اور مورتیوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ صرف خدائے واحد کے سامنے سربسجود تھے۔ جو لوگ جبر و استبداد سے دنیا کے حاکم بن بیٹھے تھے وہ آج شاگردان رسالت مآب کی تعلیم کے طفیل خالق حقیقی کی غلامی میں جکڑے گئے۔ جن اقوام نے صدیوں سے معرفت خداوندی کو بھلا دیا تھا۔ انہیں درسگاہ محمدی علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے فضلاء نے معرفت الٰہی کا ایسا نشہ پلا دیا کہ وہ باقی دنیا کو خدا سے ملانے والے بن گئے۔ ان کے چہروں پر نور ایمان اور صداقت کے دلائل نمایاں تھے کہ دیکھنے والے بے ساختہ پکار اٹھتے تھے کہ یہ چہرے کاذب نہیں ہو سکتے" ان کی سیرت اور کردار باقی امت کے لئے مشعل راہ بن گیا۔

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی

الغرض اسلام کے غلبے کا جو وعدہ اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا وہ آپ کے تلامذہ اور خلفائے صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت سے اور تبلیغی حیرت انگیز کوششوں کے ذریعے پورا فرما دیا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین كله وكفی بالله شهيدا (فتح ع ۴)

وہ اللہ کی ذات ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دیکر اس لئے بھیجا تاکہ سب دینوں پر غالب کر دے۔ اور اللہ اس بات کی گواہی پر کافی ہے۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ کی اس جانباز اور پاکیزہ فوج نے تبلیغ اسلام کے لئے جس خطے کا رخ کیا وہ فتح ہوتا چلا گیا۔ آج مشرق و مغرب کا بیسیوں ممالک پر مشتمل عالم اسلام فاتحین صحابہ کرامؓ کی یادگار ہے۔ بہت کم علاقے بعد کی فتوحات ہیں۔

اظہار تعزیت

علماء لدھیانہ کی نشانی اور کئی کتابوں کے مصنف مولانا ابو احمد عبداللہ لدھیانوی گزشتہ ہفتہ گوجرانوالہ میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے متعلقین بالخصوص علامہ محمد احمد ناظم عمومی ضلعی جمعیۃ کے غم میں ہم برابر کے شریک ہیں اور مرحوم کی بلندی درجات کے لیے دعا گو۔ (ادارہ)

محفلِ سوال وجواب

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی

رحمۃ اللہ علیہ

کی

لینن سے ملاقات؟

خدام الدین کی گزشتہ اشاعت میں محفلِ سوال وجواب کا اعلان کیا گیا تھا بحمد اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی ابتداء ۶ر جولائی ۷۵ء بروز اتوار عصر کی نماز کے بعد مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ کی لائبریری میں ہوئی جہاں حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدہم نے احباب سے ملاقات کی اور ان کے سوالات کے جواب دئے۔

یاد رہے کہ اس محفل میں جناب زاہد الراشدی کے صرف ایک ہی سوال کا جواب تفصیل سے دیا گیا جو امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی لینن سے ملاقات سے متعلق تھا۔ مولانا نے اس سوال کے جواب میں تاریخ کے بیسیوں ورق الٹ کر احباب کو حیرت میں ڈال دیا۔

مختصر رپورٹ درج ذیل ہے:　　(ادارہ)

(ترتیب: علوی)

یہ تو حقیقت ہے کہ حضرت امام انقلاب مولانا سندھیؒ ماسکو تشریف لے گئے اور ایک عرصہ وہاں قیام فرمایا لیکن جانے کا پس منظر کیا تھا۔ اس کے متعلق مرحوم کے خاص عزیز، تربیت یافتہ اور جانشین، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے صاحبزادہ گرامی قدر نے جو خود بھی ایک عرصہ حضرت سندھیؒ کی خدمت میں رہے فرمایا کہ:

سقوط دہلی کے بعد بچے کھچے علماء نے مدارس اسلامیہ کی تحریک شروع کی۔ جس کی پہلی کڑی دار العلوم دیوبند تھا۔ اس مدرسہ کا بننا بھی قدرت کا خاص عطیہ تھا۔ کیونکہ یہاں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت الامیر السید احمد بریلوی قدس سرہما کو بوئے علم آتی تھی اور پھر بانیان دار العلوم دیوبند میں سے ہر ایک کو مدرسہ کے متعلق کچھ نہ کچھ احکامات ملے تھے جن میں سے بعض کا ذریعہ القاء ربانی اور بعض کا خواب تھے۔ نیز مدرسہ کی اطلاع مکہ معظمہ میں حضرت سید الطائفہ حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کو ہوئی تو یوں فرمایا کہ "ہماری پیشانیاں رگڑتے رگڑتے گھس گئیں اور لوگ اسے اپنا کارنامہ خیال کرتے ہیں"۔

ان مدارس کا مقصد جہاں علوم دینیہ کا تحفظ اور عقائد و اعمال کی حفاظت تھی وہاں یہ بھی مطمح نظر تھا کہ یہاں مجاہد اور غازی تیار ہوں کہ اپنی چھینی ہوئی آزادی واپس لی جا سکے۔ چنانچہ انہی خطوط پر طلبہ کی تربیت ہوتی۔ حضرات اساتذہ کرام طلبہ کو سقوط دہلی کے روح فرسا واقعات سناتے۔ اہالیان دہلی وغیرہ پر انگریزی مظالم کا قصۂ درد بیان ہوتا طلبہ کا اس سے متاثر ہونا لازمی تھا۔

بالخصوص حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ جو اس مدرسہ کے پہلے طالب علم تھے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے اپنے اساتذہ کی متعین کردہ راہ پر کام کرنا شروع کیا۔ اور اس کے لیے ایک عظیم منصوبہ تیار کیا۔

اس منصوبہ میں جہاں اندرونی طور پر تحریک آزادی کے مراکز کا قیام، مجاہدین کی طیاری و تربیت شامل تھی وہاں بیرونی دنیا سے مضبوط رابطہ اور ان سے امداد بھی حاصل کرنا تھا تاکہ دونوں محاذوں پر انگریز کا مقابلہ ہو۔ اسی مقصد کے لیے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حجاز کا سفر اختیار کیا تھا تاکہ غالب پاشا وغیرہ سے ملا جائے اور اسی قسم کے مقاصد کے لیے آپ اس سے پہلے مولانا سندھی کو کابل روانہ فرما چکے تھے تاکہ حکومت افغانیہ سے راہ و رسم بڑھایا جا سکے۔

مولانا انور نے فرمایا۔ کہ مولانا سندھی انتہائی زیرک دانا اور ہوشیار انسان تھے۔ قدرت نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اسی لیے استاذ مکرم نے اس

کٹھن مقصد کے لیے حضرت نانوتویؒ کے عزیز اور موجودہ مہتمم دار العلوم دیوبند کے ماموں مولانا منصور انصاری اور مولانا سندھی کو پوری طرح تربیت دے کر بیرونی دنیا کے سفر پر روانہ فرمایا۔

بالخصوص مولانا سندھیؒ کا سفر بڑا کٹھن اور طویل تھا وہ مولانا عبداللہ لغاری مرحوم کی رفاقت اور اٹمس کی مدد سے کوئٹہ کے راستہ افغانستان گئے اور بڑی ہوشیاری سے منزل پر پہنچ گئے۔

حضرت کے جانے سے پہلے مشہور قانون دان میاں محمود علی قصوری کے بھائی مولوی محمد علی ایم۔اے اور مولانا محمد صادق آف کھڈہ کراچی کے بھائی شیخ محمد ابراہیم جیسے لوگ وہاں موجود تھے۔ اور مختلف کالجوں میں تعلیمی فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی لاہور کالج کے کئی طلبہ وہاں پہنچ گئے۔ جن میں مرحوم اقبال شیدائی، ظفر حسن ایبک (آپ بیتی کے مصنف) وغیرہ بھی تھے۔ اس طرح وہاں ایک حلقہ بن گیا۔

اس مقام پر مولانا عبیداللہ انور نے فرمایا کہ جو لوگ مولانا سندھیؒ کی تربیت میں رہے ان میں سے ایک بھی مذہب سے برگشتہ نہ ہوا اور پورا انقلابی بھی بنا جب کہ دوسرے لوگ ماسکو وغیرہ پہنچ کر کمیونزم کا شکار ہو گئے۔

• مرحوم مولانا سندھیؒ سات برس کابل میں رہے۔ جس کی مفصل داستان آپ نے خود لکھ دی ہے۔

کابل کے دوران قیام آپ نے کابل کے حکمرانوں سے مکمل رابطہ پیدا کر لیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کی شاخ قائم کی جس کے صدر آپ تھے اور اس سے آگے بڑھ کر حکومت موقتہ کی داغ بیل ڈالی جس میں راجہ مہندر پرتاپ جیسے لوگوں کو بھی شامل کیا تاکہ آزادی کی لڑائی مل کر لڑی جا سکے۔

سات سال کے حالات کے پیش نظر آپ نے کابل چھوڑا اور ماسکو تشریف لے گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ سفیر ماسکو متعینہ افغانستان نے آپ کے سفر میں آپ کی مکمل پشت پناہی کی اور بڑے حوصلہ اور جرأت سے وہ آپ کو ماسکو پہنچانے میں کامیاب ہو گیا ورنہ اس زمانہ میں سفر کی عام مشکلات کے علاوہ انگریز کی دھاندلی زوروں پر تھی اور بچ کر نکلنا بڑا مشکل تھا۔ آخر انگریز نے شاطر جمال پاشا مرحوم کو ہوٹل میں مروا چکا تھا۔

مولانا کے قیام ماسکو کے زمانہ میں برصغیر کے کئی نوجوان وہاں مقیم تھے۔ انہوں نے جدید ماسکو سے مولانا کو واقف کرانے میں بڑا کردار ادا کیا اور ماسکو کے جدید لٹریچر کا مولانا کے لیے سمجھنا آسان ہو گیا۔

ان دنوں لینن شدید بیمار تھا حتیٰ کہ حرکت سے معذور اور اپنے ساتھیوں کو نہیں پہچان سکتا تھا جیسا کہ مولانا نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا تھا جو مولانا غلام رسول مہر کو "انقلاب" کے لیے بھیجا تھا۔ مولانا کے بقول ان دنوں سٹالن اور ٹراٹسکی میں شدید اختلاف تھا۔ جب کہ بعد میں سٹالن کامیاب ہو گیا۔ اس اختلاف کی بنیاد یہ تھی سٹالن اندرونی طور پر مکمل انقلاب کی بات کرتا تھا ٹراٹسکی ایک دم پوری دنیا میں انقلاب کا حامی تھا۔

ماسکو کے بعد مولانا ترکی وغیرہ ہوتے ہوئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے جہاں مدرسہ صولتیہ کے قریب جبل ہندی میں قیام تھا وہاں مطالعہ قرآن اور حکمت ولی اللہی کو پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ تھا۔ اس زمانہ میں انہوں نے اپنے استاد شیخ الہندؒ کی یادگار جامعہ ملیہ دہلی کے سربراہ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کو لکھا کہ کوئی سمجھ دار بھیج دیں کہ میں اپنا سرمایہ علمی اسے منتقل کر دوں کہ میرا اب ہند آنا مشکل ہے۔ انہوں نے پروفیسر سرور صاحب کو جو فاضل عربی مولانا محمد سورتی کے شاگرد خاص تھے اور مصر میں ڈاکٹر طٰہٰ نیز ڈاکٹر مصطفیٰ المراغی سے تعلیم حاصل کر چکے تھے وہاں بھیج دیا۔

اس دوران "انقلاب" اور "زمیندار" نے اپنے مقالات میں مولانا سندھیؒ اور لینن کے تعلقات کے متعلق لکھا۔ یہ پرچے مولانا کو پہنچے جس پر انہوں نے وہاں سے ایک مقالہ بنام مہر صاحب بھیجا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

خدا کی قدرت ۳۷ء میں صوبائی حکومتیں اہل ملک کو

میں تو کانگریسی حکومتوں نے اپنے ساتھیوں کی واپسی کا قصہ چھیڑ دیا۔ جن میں دوسرے لوگوں کے علاوہ مولانا سندھیؒ کا نام سب سے زیادہ سامنے آیا۔ لیگی وزارتوں کے پلّے کچھ نہ تھا تو انہوں نے بھی مولانا سندھیؒ کی کسی حد تک ہمنوائی کی جبکہ سندھی وزیراعلیٰ سر اللہ بخش مرحوم نے سب سے زیادہ کوشش کی۔ گورنر کی وساطت سے لارڈ ویول اور پھر لارڈ لنگھتو سے بات ہوئی پہلے وہ سخت گھبرائے مگر بعد میں اجازت دے دی۔ لال شاہ بخاری نامی ایک صاحب جدہ میں حکومت کے نمائندہ تھے۔ مرکزی حکومت نے ان سے رپورٹ منگوائی۔ انہوں نے لکھا کہ وہ اب تعلیم کا کام کرتے ہیں اور بس۔ لیکن یاد رہے کہ تعلیم کے میدان کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔

اس طرح مولانا کی واپسی کا انتظام ہوا۔ واپس آکر انہوں نے کانگریس کے پلیٹ فارم پہ کام کیا۔ اور حکمت ولی اللّٰہی کو عام کرنے کی تحریک شروع کی۔ مولانا کی خدمت میں ہر ذہن و فکر کے جوان آتے اور وہ انہیں مطمئن کرتے۔

مولانا کی واپسی مارچ ۳۹ء میں ہوئی وہ بہت کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن جنگ عظیم دوم نے کام کا میدان معطل کر دیا۔ اور وہ اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوگئے اس کے باوجود وہ بڑا سرمایہ چھوڑ گئے۔ جس سے آج بھی استفادہ ممکن ہے۔

اس سرمایہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ شاگردان عزیز اور تفسیری نوٹس۔

جہاں تک پہلے حصہ کا تعلق ہے اس میں حضرت لاہوریؒ، خواجہ عبدالحی، مشہور روسی عالم علامہ موسیٰ جاراللہ اور ایڈیٹر عصر جدید کلکتہ سرفہرست ہیں۔ ان میں سے حضرت لاہوریؒ نے قرآن کریم کی تعلیم کا سلسلہ اتنا عام کیا کہ آج اس کے مختلف مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ اور یہ سارا سلسلہ الفضل للمتقدم کے مصداق مولانا سندھیؒ کا کارنامہ ہے۔ خواجہ عبدالحی مرحوم نے درس قرآن کے عنوان سے انتہائی مختصر اور سادہ زبان میں اپنے استاذ کے ارشادات مرتب و مدون کر دئیے۔ علامہ موسیٰ مرحوم نے روس میں حضرت سے استفادہ کیا بعد میں مکہ معظمہ مدتوں رہے اور جب حضرت سندھیؒ واپس ہندوستان آئے تو یہاں مبارک کے لیے آئے۔ یہاں برطانیہ عظمیٰ نے انہیں گرفتار کر لیا۔ والی بھوپال نواب حمید اللہ مرحوم کے سپرد کیے گئے انہوں نے علمی خدمات کے اعتراف میں بجائے جیل اپنے ذاتی مکان "شیش محل" کے ایک کمرہ میں موصوف کو رکھا۔ جنگ کے بعد وہ مصر تشریف لے گئے۔ ازہر میں استاذ مقرر ہوئے وہیں ان کا انتقال ہوا اور شیوخ ازہر کے ساتھ ہی قبر بنی۔

مرحوم نے استاذ مکرم سے تعلیم کے دوران جو نوٹس لیے وہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے جامعہ ملیہ میں ان کی نقلوں کا انتظام کروایا۔ اس کے لیے ایک علاوی عالم نیک محمد صالح جو فاضل دیوبند تھے کی خدمات حاصل کیں اس طرح یہ سرمایہ آج بھی جامعہ میں موجود ہے اور اس سے بڑا کام لیا جا سکتا ہے۔ مرحوم موسیٰ جاراللہ نے شیخ و مربی کی تعلیم کی روشنی میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں البنیك فی الاسلام وغیرہ معرکہ کی کتابیں ہیں۔

اس کے علاوہ بھی حضرت مولانا سندھی مرحوم کے مختلف رسائل جو قرآن کی مختلف سورتوں کی انقلابی تشریح پر مشتمل ہیں شائع شدہ ملتے ہیں۔

علاوہ ازیں سیاسی اعتبار سے مرحوم نے سب سے پہلے ۲۲ء میں ہندوستان کے مستقبل کے متعلق ایک خاکہ تجویز کیا جسے لالہ لاجپت رائے اور صدیقی صاحب مرحوم ترکی میں آپ سے جا کر لائے۔ کانگریس کے سامنے پیش کیا اس فارمولا میں کنفیڈریشن کے اصول پر آرام و سکون کی زندگی گزارنے کا پروگرام موجود تھا لیکن بدقسمتی سے انگریز نے اسے ضبط کر لیا۔

اس خاکہ کو سب سے پہلے مولوی عبدالحق بابائے اردو نے اپنے سہ ماہی رسالہ "سیاسیات" کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے ہر صوبہ کی اکثریتی آبادی کو وہاں کا حاکم قرار دیا جبکہ دفاع، امور خارجہ اور

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

بقیہ : اداریہ

واقعہ یہ ہے کہ آج کے دور میں جس طرز کی جنگ فدائیین لڑ رہے ہیں وہی کامیاب جنگ ہے۔ اس سے قبل الجزائر اور ویت نام نے اس قسم کی جنگوں کے ذریعے اپنا حق حاصل کر لیا اور ہمیں یقین ہے کہ فدائیین بھی ضرور اپنا حق حاصل کر لیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن اسلامی اخوت و بھائی چارگی کا تقاضا یہ تھا کہ صرف سیاسی اور مالی سطح پر نہیں عملی سطح پر بھی صرف ان کی بھرپور امداد کی جائے کہ ان کا دکھ ہمارا دکھ اور ان کا آرام ہمارا آرام ہے۔ اس فلسفہ قرآنی کے پیش نظر سبکدوش ہونے والے سیکرٹری جنرل حسن التہامی نے یہ تجویز پیش کی جسے خوب سراہا گیا اور منظور ہو گئی۔

جمعیۃ علماء اسلام کے سربراہ حضرت حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی عالم اسلام میں پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا اور جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے باقاعدہ رضا کار بھرتی کرنے اور اپنے مسلم بھائیوں کی ہر سطح پر عملی امداد کا اعلان فرمایا۔

حضرت کے ارشاد و حکم کی روشنی میں احقر نے اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری جنرل کو باقاعدہ برقی پیغام بھیج دیا ہے۔ جس میں اس تجویز کے خیر مقدم کے ساتھ ساتھ بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے۔

بہرحال جدہ کانفرنس کے سلسلہ میں یہ سرسری تبصرہ ہے جس سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ملت کی نشاۃ ثانیہ کا وقت آچکا ہے اور اب انشاء اللہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر سامراجی دنیا اپنے مفادات کا تحفظ نہیں کر سکے گی۔ اب ملت کا بچہ بچہ بنیان مرصوص بن کر اسلام کی عظمت و سربلندی اور اس کو پوری دنیا میں قانون خداوندی کی حیثیت سے نافذ و جاری کرنے کا کام کریگا اور اس کو اپنی جد و جہد سے کوئی نہیں روک سکتا۔

میں عالم اسلام کے بیدار مغز قائدین کی جرأتوں کو سلام پیش کرتے ہوئے انہیں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان اور بالخصوص جمعیۃ علماء اسلام کا ہر رکن جہاں ان کی کامیابی کے لیے دعاگو ہے وہاں عملی اعتبار سے بھی کسی خدمت سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔

خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

...... بن کھلے مرجھا گئے

حادثہ مری سب نے پڑھ لیا سن لیا۔ حیدر آباد اس دنیا میں قیامت کا شکار ہو گیا۔ بوڑھے والدین زندگی کے سہاروں سے محروم ہو گئے۔ بہن بھائی اپنے اپنے پیارے بھائیوں کی شکل اب کبھی نہ دیکھ سکیں گے دوست دوستوں کی محبت بھری محفلوں کی محض یاد سے دل بہلائیں گے اور بس۔

جس نے اس خبر کو سنا کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گیا یہ اتنا بڑا قومی سانحہ ہے کہ باید و شاید۔

خدام الدین کی کاپیاں پریس جا چکی تھیں اس لیے یہ سطور تاخیر سے سامنے آرہی ہیں۔ ہم اپنے جذبات غم کا اظہار نہیں کر سکتے۔ بس اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس جہان سے رخصت ہونے والوں کو کروٹ کروٹ جنت سے نوازے۔

والدین، اعزہ اور متعلقین کو اس جانکاہ حادثہ پر صبر کی توفیق بخشے۔ اس مرحلہ پر حکومت سے یہ کہنا ضروری ہے کہ انسان بہرحال انسان ہے اس کی کوئی قیمت نہیں لیکن مروجہ دستور کے مطابق معاوضہ بہرحال ایک قانونی حق ہے اس کی ادائیگی کا فوری انتظام ضروری ہے۔

مزید یہ کہ حادثات کے اسباب کا جائزہ لینا اور ان کا ازالہ بھی ضروری ہے ہماری سڑکوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ بالخصوص پہاڑی علاقوں میں موت ساتھ ساتھ چلتی ہے (اس حادثہ کے دو دن بعد چترال میں بھی ایک سنگین حادثہ ہوا) اس کے علاوہ ٹرانسپورٹ کے عملہ کی کوتاہیاں بھی ایک مسئلہ ہے۔ جذبہ مسابقت، ریکارڈنگ میں عجوبیت، اوور لوڈنگ وغیرہ بہت سے مسائل ہیں جن پر ٹھنڈے دل سے غور کی ضرورت ہے۔

علم کے بارے میں

خلفائے راشدین کے اقوال

مولوی صالح محمد حضروی مدرس مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور

سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

- علم کے سبب کسی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن مال کی وجہ سے ضرور خدائی کا دعوےٰ کیا گیا ہے۔
- شریف جب علم سیکھتا ہے تو متواضع ہو جاتا ہے لیکن ادنیٰ یا نیچ جب پڑھتا ہے تو متکبر ہو جاتا ہے۔
- علم کی قوت جب حد سے بڑھ جائے تو مکاری اور عیاری پیدا کرتی ہے اور جب ناقص ہو تو سخافت اور گنوارپن پیدا کرتی ہے
- مومن کو اتنا علم کافی ہے کہ اللہ تعالےٰ سے ڈرتا رہے۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:-

- علم عمر کی کمی یا زیادتی پر منحصر نہیں ہوتا۔
- جب بڑے پیمانے پر فتوحات کے نتیجے میں آمدنی بڑھی تو اس کا حساب رکھنے کے لیے ریاضی کے ماہرین کی ضرورت پڑی۔ پارسی اور عیسائی اس فن سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ گورنر بصرہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ موجودہ صورت میں کیا کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:
- "عجمیوں کو پھر وہ اختیار و اقتدار نہ دو جو خدا نے ان سے سلب کر لیا ہے۔ اُن کو اس سطح پر رکھو۔ جس پر خدا نے ان کو لا اُتارا ہے۔ تم خود (مسلمان) اس علم کو سیکھو۔"
- دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرو۔ سنتِ نبویؐ سے واقفیت حاصل کرو۔ عربی سیکھو اور سمجھو۔ خوابوں کی اچھی تعبیر کیا کرو۔ ابوالاسود سے کہو کہ اہل بصرہ کو عربی قواعد سکھائیں۔"

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:-

- وہ علم جس کی آڑ میں دنیا حاصل کی جائے بہت برا ہے۔
- علم بغیر عمل کے مفید ہے لیکن عمل بغیر علم بے سود۔
- وہ علم رائگاں ہے جس میں عمل نہ ہو اور جس سے لوگوں کو فائدہ نہ پہنچے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

- ہر برتن اس چیز سے بھر جاتا ہے جو اس میں رکھی جائے بجز ظرفِ علم کے کہ وہ علم سے بڑھتا ہے
- جس نے عبرت حاصل کی اس نے حقیقت کو دیکھ لیا اور سمجھ گیا اور جو سمجھ گیا اسے علم ہو گیا
- علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ مطبوع (فطرت میں رچا بسا کہ عمل سے ظاہر ہو) مسموع (سنا ہوا مگر بے عمل) مسموع علم جب تک مطبوع نہ ہو فائدہ مند نہیں۔
- خدا نے جاہلوں سے تعلیم حاصل کرنے کا عہد عالموں سے تعلیم دینے کے عہد کے بعد لیا ہے۔
- جو شخص اپنے کو عوام کا قائد بنائے اسے چاہیے کہ دوسروں کو تعلیم دینے سے قبل اپنی ذات کو تعلیم دے۔
- جب کوئی خبر سنو تو اسے شرائط کے ساتھ سمجھو کیونکہ علم کے نقل کرنے والے تو بہت ہیں مگر

اس کی دیکھ بھال کرنے والے کم ہیں۔

○ سب سے معمولی درجے کا علم وہ ہے جو زبان پہ ہو اور بلند ترین وہ جو اعضاء و جوارح سے ظاہر ہو۔

بقیہ: مجلسِ ذکر

اپنے آپ کو اس یقینی وقت کے لیے تیار رکھیں اور جو لمحات فرصت ہیں ان کو اس طرح خرچ کریں کہ اس وقت کا سفر آسان ہو جائے اور ندامت و شرمندگی نہ ہو۔

اللہ والوں کی شان یہ ہے کہ جب ان کے سفرِ آخرت کا وقت آتا ہے تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

اور یہ اسی لیے ہوتا ہے کہ ان کا اس حقیقت پہ بھرپور یقین ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے لیے مکمل تیاری کرتے ہیں۔ جب طیاری مکمل ہوتی ہے تو پھر سفر آسان ہوتا ہے۔

اللہ تعالٰے ہمیں موت جیسے یقینی سفر کے لیے صحیح تیاری کی توفیق بخشے۔

بقیہ: محفل سوال و جواب

کرنسی کو شش کہ قرار دیا۔ اور اسی موضوع پہ آپ کا خطبۂ مدراس بھی معرکہ کی چیز ہے۔

ایک سوال کے جواب میں مولانا نے بتلایا کہ حضرت سندھیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پانچ سال پہلے ہندوستان آجاتا تو جنگ کی نوبت نہ آتی۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ جنگ ہوئی اس میں جہاں برطانیہ کا جیتنے کے باوجود کچومر نکل گیا وہاں ہندوستان بھی مصائب و آلام کا شکار ہوگیا اور انگریز اپنے منصوبوں کو پروان چڑھا کر رخصت ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج تک سکھ اور سکون میسر نہیں۔ اللہ میاں ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

اظہارِ تعزیت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کی والدہ گذشتہ دنوں انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ مرحومہ کی مغفرت اور متعلقین کے صبر کے لیے دعا گو ہے

دعا صحت کی درخواست جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے نائب امیر قاری عبدالسمیع شدید علیل ہیں احباب سے دعا کی درخواست ہے

ایک پیشین گوئی

جو حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی

(از جناب وحید الدین خاں)

ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے جو تاریخی واقعات ہمیں معلوم ہیں ان میں یہ واقعہ بلاشبہ ایک نہایت عجیب واقعہ ہے کہ وقت کی دو عظیم ترین سلطنتوں کی جنگ میں، جبکہ درحقیقت ایک فریق کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ان سے بہت دور مکہ میں بیٹھے ہوئے نبی امی نے ایک غیر معمولی نوعیت کی پیشین گوئی کی جو عین وعدے کے مطابق دس سال کے اندر پوری ہو گئی۔ میری مراد غلبہ روم کی پیشین گوئی سے ہے جو قرآن کے تیسویں سورۂ (روم) میں وارد ہوئی ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں خلیج فارس کے دوسرے ساحل پہ ایرانی حکومت قائم تھی اور مغرب میں بحر احمر کے کناروں سے لے کر اوپر بحر اسود تک وہ سلطنت تھی جو تاریخ میں سلطنتِ روم کے نام سے مشہور ہے۔ اول الذکر کا دوسرا نام ساسانی سلطنت اور مؤخر الذکر کا بازنطینی سلطنت ہے، ان دونوں حکومتوں کی سرحدیں عرب کے شمال میں عراق کے مشہور دریاؤں دجلہ و فرات پر آ کر ملتی تھیں۔ یہ دونوں اپنے زمانے کی طاقتور ترین سلطنتیں تھیں۔

رومی سلطنت کی تاریخ مورخ گبن کے بیان کے مطابق دوسری صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے اور اس کو اپنے وقت کی مہذب ترین سلطنت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

روم کے زوال پر جتنا لکھا گیا ہے اتنا کسی تہذیب کے خاتمہ پر نہیں لکھا گیا۔ اور اگرچہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہو سکتی جو دوسری کتابوں سے آدمی کو مستغنی کر دے، تاہم مجموعی اعتبار سے اس عنوان پر سب سے زیادہ مفصل اور مستند مواد اڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) کی مشہور کتاب ہے جس کا نام ہے:۔

THE HISTORY THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE

اس کتاب کی پانچویں جلد کے دوسرے باب میں قابل مصنف نے اس دور کے واقعات قلم بند کئے ہیں جو اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے۔ روم کے ایک سابق بادشاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں مسیحیت قبول کر کے اس کو سرکاری مذہب کی حیثیت دے دی تھی، چنانچہ روم کی بیشتر آبادی اب حضرت عیسیٰ کی پیرو تھی۔ اس کے مقابلے میں ایرانی سورج دیوتا کے پرستار تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے روم پر جس بادشاہ کی حکومت تھی اس کا نام ماریس (MAURICE) تھا۔ ماریس کی نااہلی اور بد انتظامی کی وجہ سے آپ کو نبوت ملنے سے آٹھ سال قبل ۶۰۲ء میں اس کی فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت کی قیادت ایک فوجی کپتان فوکاس (PHOCAS) نے کی تھی۔ بغاوت کامیاب ہو گئی اور فوکاس روم کے شہنشاہ کی جگہ تخت پر قابض ہو گیا۔ اس نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد شہنشاہ روم ماریس اور اس کے خاندان کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا۔

فوکاس نے اپنی ہمسایہ سلطنت ایران کو ایک سفیر بھیج کر اپنی تخت نشینی کی اطلاع دی۔ اس وقت ایران کے تخت پر نوشیروان عادل کا لڑکا خسرو پرویز (CHOSROES II) تھا۔ خسرو پرویز کو ۵۹۰ء میں اندرونی سازش اور بغاوت کی وجہ سے اپنے ملک سے فرار ہونا پڑا تھا۔ اس زمانے میں مقبول رومی شہنشاہ ماریس نے اس کو اپنے علاقہ میں پناہ دی تھی۔ اور دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کے سلسلے میں اس کی مدد کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھیں دنوں قسطنطنیہ کے زمانۂ قیام میں خسرو نے ماریس کی لڑکی سے شادی کی تھی اور اسی رشتہ کی بنا پر ماریس کو وہ اپنا باپ کہتا تھا۔ چنانچہ جب خسرو کو رومی انقلاب کی خبر ملی تو وہ سخت برہم ہوا۔ اس نے رومی سفیر کو قید کرا دیا اور نئی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

ٹیلیفون نمبر ۶۷۵۲۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C-۲۲۶-۲۲۸۱ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء (۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۰۷۶۶/۹/۲۹-D.D.9 مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۳ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر G.M/۳۰-۱۵۲۱ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۶۷ء

اس کے بعد فوراً اس نے اپنی فوجوں کے ذریعہ روم پر چڑھائی کر دی۔ ۶۰۳ء میں اس کی فوجیں دریائے فرات کو پار کر کے شام کے شہروں میں داخل ہو گئیں۔ فوکاس اپنی نااہلی کی وجہ سے اس غیر متوقع حملہ کو روکنے میں کامیاب نہ ہوا۔ ایرانی فوجیں بڑھتی رہیں یہاں تک کہ انطاکیہ کو فتح کرتے ہوئے یروشلم پر قابض ہو گئیں۔ ایرانی سلطنت کے حدود فرات سے پار کر کے یکایک وادی نیل تک وسیع ہو گئے۔ سابقہ رومی سلطنت کے مذہبی دار و گیر کی وجہ سے چرچ کے مخالف فرقے — نسطوری اور یعقوبی نیز یہودی پہلے سے رومی حکومت سے ناراض تھے اب انہوں نے روم دشمنی میں نئے فاتحین کا ساتھ دیا۔ اس چیز نے خسرو کی کامیابی کو بہت آسان بنا دیا ——

فوکاس کی ناکامی دیکھ کر بعض اعیان سلطنت نے افریقی مقبوضہ کے رومی گورنر کے یہاں خاموش پیغام بھیجا کہ وہ ملک کو بچانے کی کوشش کرے۔ اس نے اپنے لڑکے ہرقل (GLIMSHERA) کو اس مہم پر روانہ کیا۔ ہرقل سمندر کے راستے سے فوج لے کر افریقہ سے روانہ ہوا اور یہ ساری کارروائی اس قدر رازداری کے ساتھ انجام پائی کہ فوکاس کو اس وقت تک اس کی خبر نہیں ہوئی جب تک اس نے اپنے محل سے سمندر میں آتے ہوئے جہازوں کے نشانات نہیں دیکھ لیے۔ ہرقل معمولی لڑائی کے بعد دارالسلطنت پر قابض ہو گیا۔ اور فوکاس قتل کر دیا گیا۔

ہرقل نے فوکاس کو تو ختم کر دیا مگر وہ ایرانی سیلاب کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ۶۱۶ء تک رومی دارالسلطنت سے باہر اپنی شہنشاہی کا تمام مشرقی اور جنوبی حصہ کھو چکے تھے۔ عراق، شام، فلسطین، مصر، ایشیائے کوچک، ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا — رومی سلطنت قسطنطنیہ کی چہار دیواری میں محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ محاصرہ کی وجہ سے تمام راستے بند تھے چنانچہ شہر میں قحط اور وبائی امراض نے پھیل کر مزید مصیبت پیدا کر دی۔ رومی سلطنت کے عظیم الشان درخت کا صرف تنا باقی رہ گیا تھا اور وہ بھی خشک ہو رہا تھا۔ خود قسطنطنیہ کے اندر دشمن کے گھس آنے کا خوف تمام آبادی پر اس قدر چھایا ہوا تھا کہ تمام کاروبار بند تھے۔ وہ پبلک مقامات جہاں رات دن چہل پہل رہتی تھی، اب سنسان پڑی ہوئی تھیں۔

آتش پرست حکومت نے رومی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد مسیحیت کو مٹانے کے لیے شدید ترین مظالم شروع کیے۔ مذہبی شعائر کی توہین کی گئی۔ گرجا گھر مسمار کر دیئے گئے۔ تقریباً ایک لاکھ عیسائیوں کو بے گناہ قتل کر دیا گیا۔ ہر جگہ آتش کدے تعمیر کیے گئے اور مسیح کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا۔ مقدس صلیب کی اصل لکڑی، جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اسی پر مسیح نے جان دی تھی، وہ چھین کر مدائن پہنچا دی گئی۔

(باقی باقی)

عبید اللہ انور پبلشر نے پرنٹر محمد احمد طارق لطیف کے ذریعے پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔